ڈاکٹر حافظ احمد دین

نظام محاصل کا تاریخی پس منظر اور اس میں اسلامی انقلابی اصلاحات

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت دو سلطنتیں عروج پر تھیں۔مغرب میں رومی سلطنت اور مشرق میں ایرانی سلطنت۔ اور ان سے ملحقہ علاقے زیادہ تر انہیں کے زیرنگین تھے۔

زیرنظر مقالہ میں انہی دو سلطنتوں کے حوالہ سے نظام محاصل کا ایک جائزہ پیش کرکے بتایا گیا ہے کہ ان کا نظام محاصل مبنی بر انصاف نہیں تھا۔ بلکہ ظالمانہ اور جابرانہ تھا۔ جہاں تک موجودہ نظام محاصل کا تعلق ہے۔ یہ بھی انہی خطوط پر استوار ہے۔جن پر قدیم رومی و ایرانی نظام قائم تھا۔ دونوں کا منتہائے نظر عوام کا استحصال اور مخصوص طبقہ امراء کے مفادات کا تحفظ و نگہداشت ہے۔

مقالہ کے آخر میں نظام محاصل کے بارے میں حضور ختم الرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے اصلاحی اقدامات کا مختصر حال بیان کرکے واضح کیا گیا ہے کہ انسانیت کی فوز و فلاح انتہاپسند معاشی نظاموں کی بجائے فقط اسلام کے عادلانہ معاشی نظام میں مضمر ہے۔ آج بھی اگر ٹیکس کے نظام کو سرمایہ دارانہ نظام کی بجائے اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے تو معاشرے سے طبقاتی فرق کو فطری انداز میں کم کرکے اسے ایک مثالی معاشرہ میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

یہ مقالہ درج ذیل تین عنوانات پر مشتمل ہے۔

۱۔ قدیم نظام محاصل

۲۔ جدید نظام محاصل

۳۔ نظام محاصل میں اسلامی انقلابی اصلاحات

ا۔ قدیم نظام محاصل

زمانہ قدیم میں ٹیکسوں کا جدید تصور نا پید تھا۔ طاقتور قبیلہ خود سے کمزور قبیلہ کو زیر کرکے اپنا غلام اور باجگزار بنا لیتا تھا۔ فاتح قبیلے مغلوب قبیلے کی معاشی بدحالی کی وجہ سے دولت کی صورت میں ان سے ٹیکس وصول نہیں کرسکتے تھے۔ البتہ وہ ان کی غربت سے یوں فائدہ اٹھاسکتے تھے کہ وہ انہیں اپنی خدمت پر مامور کردیں۔ چنانچہ اس زمانہ میں رقم (مالیت) کی بجائے خدمت (محنت) ایک قسم کا ٹیکس تھا۔ جسے وہ اپنے ماتحت لوگوں سے وصول کرتے تھے۔ قرآن مجید نے غلامی کی اس صورت کو حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے باہمی مکالمے کی شکل میں یوں واضح کیا ہے:

وتلک نعمة تمنها علی ان عبدت بنی اسرائیل (۲۶:۲۲)

اور کیا آپ کا یہی احسان ہے جو تو مجھ پر جتلاتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔

غلامی کا یہ دستور صرف مصر کی سرزمین تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ دنیا کے دوسرے خطوں میں بھی اس کا رواج تھا۔ بقول ایچ۔ جی۔ ویلز (H.G.Wells) قدیم روم کے ایٹرسکنز (Etruscuns) کا یہ پسندیدہ شغل تھا کہ لڑائی میں اپنے غلاموں کو جھونک دیں(۱) بلکہ بعض مواقع پر وہ تفریح طبع کی خاطر انہیں اکھاڑے میں درندوں سے بھی لڑا دیتے تھے۔(۲) جنگی قیدیوں کو غلام بنا لینے کے علاوہ رومیوں کا یہ بھی دستور بن گیا تھا کہ قرض کی ادائیگی میں تاخیر کے سبب قرض خواہ مقروض کو اپنا غلام بنالے۔(۳)

غلامی اور خدمت گزاری کے اس بھیانک دور سے نکل کر مصیبت زدہ انسانیت رفتہ رفتہ ظالمانہ محاصل کے دور میں داخل ہوگئی۔ مگر یہ دور بھی اپنے نتائج کے لحاظ سے غلامی کے دور سے زیادہ بہتر نہیں تھا جس کی تصریح مولانا تقی امینی کے اس بیان سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ جو

1- H.G.Wells, A Short History of the World: (1953) P-145, The White Friers Press Ltd, London Tonbidge.
2- 1B id P-144
3- Sir William Smith: A Smaller History of Roome: (1902), William Domes and Sons Ltd, London and Becceds.

انہوں نے اے جے گرانٹ (A.J.Grant) کے حوالہ سے تیسری صدی عیسوی کے یورپ کے بارے میں دیا ہے(۴) اور یہی کچھ حالت یورپ میں چوتھی(۵) پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی(۶) میں رہی۔

ٹیکس مظالم کی تباہ کاری صرف رومیوں کے اپنے ملک تک محدود نہیں تھی بلکہ وہ لوگ بھی اس کی زد میں آگئے تھے جو رومی سلطنت کے باجگزار بن کر زندگی گزار رہے تھے۔ بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی، رومیوں کے زیر تسلط شامی اپنے ہی ملک میں غریب الوطن افراد کی طرح زندگی گزار رہے تھے۔ بسا اوقات وہ ٹیکس کی ادائیگی کی خاطر اپنی اولاد کو فروخت کرنے پر بھی مجبور ہو جاتے تھے۔ بیگار سسٹم کا رواج عام تھا۔ جس کی بدولت رومی حکومت نے وہ ادارے اور کارخانے تعمیر کیے جو آج بھی رومیوں کا کارنامہ سمجھے جاتے ہیں(۷) اور یہی کچھ حالت ان

۴۔ مولانا تقی امینی لکھتے ہیں ''بدامنی سے تجارت کا بازار سرد پڑ گیا تھا۔ فوجی اغراض کے لیے آمدنی بڑھانے کی سخت ضرورت تھی جس کے لیے لوگوں پر نئے نئے محصول لگائے جا رہے تھے۔ حکام اور محصول جمع کرنے والوں کی تعداد میں بے حد اضافہ کر دیا گیا تھا۔ اور اس کے بوجھ سے رعایا دبنے لگی تھی۔ وہاں کی آبادی گھٹتی تھی۔ اور جائیدادیں امیروں کے پاس آتی جاتی تھیں۔ اور آزاد کاشتکار مالکان جائیداد کے غلام بنتے جا رہے تھے۔ ایسی آسامیوں کو ''کالونائی'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ قبضہ زمین کو نوعیت وہی شکل اختیار کرتی جا رہی تھی جس کو زمانہ مابعد میں جاگیریت (Feudalism) سے تعبیر کرتے ہیں'' حوالہ کے لیے دیکھئے مولانا امینی کی کتاب ''اسلام کا زرعی نظام'' ص: ۲۱۶

۵۔ مولانا چوتھی صدی عیسوی میں یورپ کی معاشی بدحالی کے بارے میں رقم طراز ہے۔

''فوجیوں، عہدیداروں اور دربار کے کثیر اخراجات کے لیے نہ صرف رعایا پر محصول کی بھرمار ہو رہی تھی۔ بلکہ ان کے وصول کرنے میں یہاں تک ظلم روا رکھا جاتا تھا کہ غریب محصول دینے والے کے پاس ایک پیسہ بھی باقی نہ رہ جائے۔ اور خزانہ شاہی معمور رہے۔'' اسلام کا زرعی نظام۔ ص: ۲۱۶۔۲۱۷

۶۔ یورپ میں ٹیکس مظالم کی جو کیفیت پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں رہی اس کے بارے میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کا بیان ملاحظہ ہو ''روم کی مشرقی ریاست میں اجتماعی بدنظمی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ رعایا کے بے انتہاء مصائب کو نظر انداز کر کے ٹیکس دوگنے چوگنے کر دیے گئے تھے۔ جس کی وجہ سے ملکی باشندے اپنی حکومت سے نالاں تھے اور وہ ملکی حکمرانوں کی بجائے دوسری حکومتوں کو ترجیح دیے تھے'' دیکھئے مولانا کی کتاب ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر'' (۱۹۷۴ء) ص: ۴۳، مجلس نشریات اسلام، نظام آباد کراچی۔ ۱۸

۷۔ حوالہ بالا ص: ۸۱۔۸۲

مولانا آگے ان محصولات کی یہ تفصیلات دیتے ہیں:

''شامی رعایا پر لازم تھا کہ وہ حکومت کا ٹیکس ادا کرے اور اپنی تمام پیداوار اور آمدنی کا دسواں حصہ اور راس المال کا ٹیکس داخل کرے۔ فی کس رقم مقرر تھی۔ جس کی ادائیگی لازم تھی۔ اس کے علاوہ رومی قوم کے کچھ دوسرے اپنے ذرائع آمدن بھی تھے۔

مصریوں کی تھی جو رومی سلطنت کے رعایا بن گئے تھے۔(۸)

مغرب میں رومی سلطنت نے ظالمانہ ٹیکس عائد کر کے لوگوں کو بے دست و پا بنا دیا تھا اور مشرق میں ایرانی سلطنت نے ناجائز ٹیکس بڑھا کر رعایا پر زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے کسانوں نے کھیتی باڑی چھوڑ کر عبادت گاہوں اور خانقاہوں کی راہ اختیار کرلی۔ بیکاری کی بنا پر لوگ جرائم پیشہ بن گئے اور ناجائز ذرائع سے دولت جمع کرنے کا مرض عام ہوگیا۔(۹)

ایران میں ایک جانب عوام غربت کی چکی میں گھن کی طرح پس رہے تھے اور دوسری جانب حکمران اور امراء دنیا کی حالت زار سے بے نیاز دادِ عیش دے رہے تھے۔ چنانچہ پارسی مورخ مکاریوس کے بیان کے مطابق۔ کسریٰ پرویز کے پاس بارہ ہزار عورتیں تھیں اور پچاس ہزار اصیل گھوڑے۔ اس کے پاس جو سامان تعیش اور نقد جواہر تھے۔ اس کا تو اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ جب کہ اس کا محل اپنی شان وشوکت اور عظمت میں لاثانی تھا۔(۱۰)

فرش بہار جس پر بیٹھ کر تاجداران ایران موسم خزاں میں شراب پیتے تھے۔ مورخین نے اس کی یوں منظر کشی کی ہے:

(بقیہ حاشیہ نمبر ۷) مثلاً چنگی، کانیں، محاصل۔ اس کے علاوہ جو قطعات گندم کی کاشت کے قابل ہوتے اور چراگاہیں۔ یہ سب ٹھیکہ پر اٹھا دی جائیں۔ یہ ٹھیکدار ''عشارین'' کہلاتے تھے۔ یہ لوگ حکومت سے تحصیل محاصل کے اختیارات خرید لیتے اور رعایا سے مطالبات وصول کرتے۔ ہر صوبہ میں ٹھیکیداروں کی متعدد کمپنیاں تھیں ہر کمپنی کے پاس کچھ منشی اور محصل ملازم ہوتے تھے۔ جو اپنے افسروں اور مالکوں کے انداز میں پیش آتے اور جس قدر ان کو لینے کا حق تھا اس سے زیادہ وصول کرتے۔ اور لوگوں کو فراغت و راحت کے وسائل سے محروم کرتے۔ اور اکثر ان کو غلاموں کی طرح فروخت بھی کر دیتے ''دیکھئے کتاب انسانی دنیا پر مسلمانوں کا عروج وزوال کا اثر'' ص: ۹۳_۹۴۔

۸۔ سلطنت روما کے زیر اثر مصر کی حالت شام سے بھی ابتر تھی۔ جس کے بارے میں مولانا تقی امینی دبیران کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''شاید تم نے دہقانوں کی حالت پر غور نہیں کیا ہے۔ جو زمین کو جوتنے اور بونے میں مشغول رہتے ہیں۔ جب تک محصول وصول نہ ہو افسر برابر ان کے سر پر موجود رہتے ہیں۔ تحصیلدار ہاتھ میں لکڑی لیے ہوئے اور سپاہی کھجور کی چھڑیاں لیے ہوئے ان کے ہمراہ رہتے ہیں اور کاشتکاروں پر دباؤ ڈال کر ان سے غلہ طلب کرتے ہیں۔ اگر بیچارہ دہقان غلہ نہیں رکھتا تو اسے زمین پر لٹا کر باندھ لیتے اور نہر کے کنارے کھینچ کر لے جاتے ہیں اور پھر سر کی طرف سے اس کو پانی میں ڈال دیتے ہیں دیکھئے ''اسلام کا زرعی نظام'' ص: ۲۴۴۔

۹۔ الندوی، ابوالحسن علی، علامہ مولانا ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر (۱۹۷۴ء) ص: ۸۸، مجلس نشریات اسلام، ۱ کے ۳ ناظم آباد نمبر ۱ کراچی نمبر ۱۸

۱۰۔ ایضاً ص: ۸۸

یہ ساٹھ گز مربع تھا۔ تقریباً ایک ایکڑ زمین گھیر لیتا تھا۔ اس کی زمین سونے کی تھی۔ جس میں جابجا جوہرات اور موتیوں کی گلکاری تھی۔ چمن تھے۔ چمن میں پھولدار اور پھلدار درخت قائم تھے۔ درختوں کی لکڑی سونے کی۔ پتے حریر کے۔ کلیاں سونے چاندی کی اور پھل جواہرات کے بنائے گئے تھے۔ گرد ہیرے کی جدول تھی۔ درمیان میں روشیں اور نہریں بنائی گئی تھیں۔ اور یہ سب جواہرات کی تھیں۔ موسم خزاں میں تاجداران آل ساسان اس گلشن بے خزاں میں بیٹھ کر شراب پیا کرتے تھے۔ دولت کا ایک حیرت انگیز کرشمہ تھا۔ جو زمانہ نے کبھی اور کہیں نہیں دیکھا تھا۔ (۱۱)

یقینی بات ہے کہ حکمرانوں اور ارکان دولت کے عیش وعشرت پر جو رقم صرف ہوتی تھی۔ حکومت کا خزانہ اس کے بوجھ کو باسانی برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ یہ بوجھ ہلکا کرنے کا اس کے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ رعایا پر مزید ٹیکس عائد کیے جائیں۔ اور نئے قوانین بنا کر، کسانوں، تاجروں، کاریگروں اور دوسرے کاروباری لوگوں سے زیادہ مال وصول کرکے حکومت کے خزانہ کو بھرا جائے۔

شاہان فارس کو یہ اختیار بھی حاصل تھا کہ جب تک وہ زمینی پیداوار سے ٹیکس وصول نہ کرلیں۔ کاشتکار اس میں کچھ بھی تصرف نہ کرسکیں۔ یہ دستور ایران کے اپنے علاقہ تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ دیگر ملحقہ علاقے جہاں تک ایرانی سلطنت وسیع تھی وہاں بھی کاشتکاروں پر یہی پابندی عائد تھی۔ اس سلسلہ میں علامہ ماوردی کا وہ بیان جو انہوں نے شاہان فارس کی سنگدلی کے بارے میں لکھا ہے۔ قارئین کی توجہ کی خاطر ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

''ایک روز قباد شکار کو نکلا۔ جب وہ ایک گھنے درخت (جھاڑی) تک پہنچا تو اس میں شکار ڈھونڈنے کے لیے ایک ٹیلے پر چڑھ گیا وہاں کیا دیکھتا ہے کہ ایک عورت کھجور اور انار کے چھلوں سے لدے ہوئے باغ میں مٹی کھود رہی ہے۔ پاس اس کا بچہ کھڑا انار کھانے کے لیے اصرار کر رہا ہے۔ مگر ماں اسے برابر منع کرتی ہے۔ یہ ماجرا دیکھ کر قباد کو تعجب ہوا۔ قاصد بھیج کر اس عورت کو پاس بلایا۔ اور پوچھا کہ وہ بچے کو انار کھانے سے کیوں منع کر رہی ہے؟ عورت نے

۱۱۔ الندوی، ابوالحسن علی، علامہ مولانا ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر (۱۹۷۴ء) ص: ۸۸، مجلس نشریات اسلام، ۱ کے ۳ ناظم آباد نمبر ۱ کراچی نمبر ۱۸، ص: ۸۸

جواب دیا'' اس پھل میں بادشاہ کا حق ہے۔ ابھی تک تحصیلدار وہ حق وصول کرنے نہیں آیا۔ بادشاہ کا حق ادا کیے بغیر اس میں سے کھاتے ہم ڈرتے ہیں۔ قباد نے یہ سن کر اپنی رعایا پر ترس کھایا اور اپنے وزراء کو پیمائش کا حکم دیا تاکہ آمدنی تو اس سے کم نہ ہونے پائے۔ جو تقسیم سے پہلے حاصل ہوتی تھی۔ مگر لوگ بوقت ضرورت اپنی ملکیت میں تصرف کرسکیں۔''(۱۲)

اس ظالمانہ نظام کا یہ نتیجہ تھا کہ ایک طرف اعیان دولت کو عیش وعشرت سے فرصت حاصل نہیں تھی۔ اور دوسری طرف رعایا کو ان کی خدمت اور محنت ومشقت سے اتنی فراغت حاصل نہیں تھی۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہ'' کہ وہ آخرت کی سعادت کے بارے میں سوچ سکیں۔ یا اس کی تیاری کرسکیں۔ ساری آبادی میں ایک بھی آدمی ایسا ملنا مشکل تھا۔ جسے دین کی فکر لاحق ہو۔ ساری قوم کھانے پینے اور مکانات بنانے میں مشغول تھی۔ کمانے کے ان اصولوں کو اس نے بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔ جن اصولوں پر نظام عالم کی بقاء کا دارومدار ہے۔(۱۳)

روم اور ایران میں دولت کی اس غلط تقسیم کی وجہ سے معاشرہ دو طبقات میں بٹ گیا تھا۔ جن کے درمیان واضح فرق تھا۔ ایک طبقہ بادشاہ، اس کے خاندان، متعلقین، اہل دربار اور جاگیرداروں پر مشتمل تھا۔ جو سدا بہار پھولوں کی سیج پر زندگی گزار رہا تھا۔ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے سونا چاندی سے کھیلتے اور دودھ وگلاب میں نہاتے تھے۔ ان کے گھوڑوں کے نعل، لعل و جواہر سے جڑتے اور درود یوار ریشم وکمخواب سے سجائے جاتے تھے۔ جب کہ دوسرا طبقہ کاشتکاروں، اہل حرفہ اور چھوٹے تاجروں کا تھا۔ ان کی زندگی سراپا رنج وکلفت تھی۔ یہ ٹیکسوں اور نذرانوں کے بوجھ تلے کچلے جا رہے تھے۔ یہ جتنا مطالبات کے جال کو توڑنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتے یہ جال اتنا اور بھی کس جاتا تھا۔(۱۴)

یورپی ممالک میں ٹیکسوں نے جو بدحالی مچا دی تھی۔ وہ بعد میں بھی کافی مدت تک جاری رہی۔ چنانچہ اکرام علی ملک کے مطابق فرانس میں اٹھارویں صدی عیسوی میں بیشتر ٹیکس پرانی وضع کے تھے۔ جو روح انصاف سے یکسر خالی تھے۔ طبقہ امراء ٹیکس کی ادائیگی سے آزاد تھا۔

۱۲۔الماوردی، ابی الحسن علی بن محمد، ''الاحکام السلطانیہ'' (۱۳۹۳ھ) ص: ۲۸۱ مطبعۃ مصطفے البابی، مصر۔

۱۳۔الشاہ ولی اللہ، احمد بن عبدالرحیم، حجۃ اللہ البالغہ'' ج: ۱ص:۱۰۶، المکتبۃ السلفیہ، لاہور۔

۱۴۔الندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر (۱۹۷۴ء) ص: ۹۴۔۹۵

ان کے ٹیکسوں کا بوجھ کاشتکار برداشت کرتے تھے۔ ٹیکسوں کی آمدنی کا زیادہ تر حصہ خزانہ تک پہنچنے سے پہلے ہی خورد برد ہو جاتا تھا۔ مزید براں یہ ٹیکس ملک کے تمام حصوں میں یکساں طور پر لاگو نہیں تھے۔ انتظامی خرابیوں کے علاوہ لوگ ان ٹیکسوں سے نالاں بھی تھے۔(۱۵)

استحصالی نظام کی اس غلط پالیسی اور اس کے نتیجہ میں معاشی عدم توازن کا اندازہ اس وقت کے یورپی معاشرہ کی طبقاتی تقسیم سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ ہنری ولسن لٹلفیلڈ (Henry Wilson Littleield) اپنی کتاب (New Outline Histroy Europe) میں ان طبقات کا ذکر (Social Classes) کے تحت یوں کرتا ہے:

ا۔ا طبقہ امراء (Nobality)

اس طبقہ میں شہروں میں بسنے والے دوکاندار، تاجر اور کاروباری لوگ شامل تھے۔ لیکن اس طبقہ کا اعلیٰ حصہ برسر آوردہ امراء اور گرجوں کے شہزادوں پر مشتمل تھا۔ قابل کاشت زمینیں انہیں کے قبضہ میں تھیں۔ اور وہ ان کے محاصلات کسانوں سے وصول کرتے تھے۔

ا۔۲ کسان (Peasantry)

آبادی کی اکثریت کسانوں پر مشتمل تھی۔ جو مزدوری کرکے اپنے ہاتھوں کی کمائی پر گزارہ کرتے تھے۔ سولہویں صدی عیسوی میں ان کے حسب ذیل طبقات بن گئے تھے۔

ا۔۲۔ انیم غلام (Serfs)

مشرقی اور وسطی یورپ کی زیادہ تر آبادی ان لوگوں پر مشتمل تھی۔ یہ لوگ اپنے مالکوں کی خدمت کرتے۔ مختلف محاصل ادا کرتے اور اپنے مالکوں کی عیش وعشرتکے لیے مال مہیا کرتے تھے۔ ایک قسم کے وراثتی ٹیکس کی ادائیگی بھی انہی کے ذمہ تھی۔ البتہ سولہویں صدی عیسوی کے آغاز میں مغربی یورپ میں غلامی کا سلسلہ بند ہوگیا۔

ا۔۲۔۲ آزاد کرایہ دار (Free Tenants)

یہ وہ کسان تھے جنہیں زمین وغیرہ کرایہ پر دی جاتی تھی۔ یہ لوگ شادی بیاہ کے مجاز

15- Ikram Ali Malik: The History of Modern Europe (1971) P-8, Priton Well- Wisher Press, Lahore.

تھے۔ آزادی کے ساتھ زمین کاشت کرتے اور مالکوں کو زمین کا کرایہ وغیرہ ادا کرتے تھے۔

۱۔۲۔۳ اجرتی مزدور (Hired Labourers)

یہ لوگ اپنے مالکوں کی زمین اجرت پر کاشت کرتے تھے۔ جس کے عوض میں انہیں مزدوری ملتی تھی۔

۱۔۲۔۴ کاشتکار (Metayers)

یہ کسانوں کی وہ قسم تھی جو ایک مقررحصہ پر مالکوں کی زمین کاشت کرتے تھے۔(۱۶)

موصوف نے آگے کسانوں کی جو زبوں حالی بیان کی ہے۔ خوف طوالت کی وجہ سے اسے ترک کیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیلات اصل کتاب (۱۷) میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

۲۔ جدید نظام محاصل

جہاں تک عہد حاضر کے ٹیکسوں کا تعلق ہے۔ انہیں اگر اپنے تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ان کا تانا بانا پرانا ہے۔ قدیم محاصل میں کانٹ چھانٹ کرکے جدید ٹیکسوں کی وضع قطع کچھ اس طرح سے درست کی گئی ہے کہ یہ اب بالکل نئے اور جاذب نظر دکھائی دیتے ہیں۔ ورنہ حقیقتاً ان کا ڈھانچہ روم و ایران وغیرہ کے پرانے ظالمانہ محاصل ہی پر قائم ہے۔ ہمارے اس دعوی کی توثیق انسائیکلو پیڈیا برٹیکا کے درج ذیل اقتباس سے بخوبی ہو جاتی ہے۔

Takes of any kind had little place inthe agrarian feudal system of Middle Ages, The king, the duke, the count, the baron-each in true derived income from the land he held directly and levied rent like dues on lose who held land at his plessure, i.e. on those geneath him in the feudal hairarchy. From the 14th Century on as the feudal system was gradually broken up by discipation of the public domain,

16- Henry Wilson, Littlefield "New Outline History of Europe,"- (1959) P-9-10, Barbes and Moble INC New Yark.

17- Ibid P:10-11

by growth of industry and commerce, and by centeralition of government theis petimonical revenues slowly gave way to taxes (18)

''قرون وسطی کے زراعتی جاگیرداری نظام کے تحت کسی قسم کے ٹیکس کو کوئی وقعت حاصل نہیں تھی۔ بلکہ بادشاہ، شہزادہ، نواب اور راجہ بذات خود اپنی زمینوں کی آمدن حاصل کرتا تھا اور جو لوگ اس کے ماتحت ہوتے اور اس مرضی سے اپنے پاس کاشت کے لیے زمین رکھنا چاہتے تو وہ موروثی جاگیردارانہ نظام کے تحت ان سے اجرت وصول کرتا۔ چودھویں صدی کے بعد زمینداری نظام کی بربادی، صنعت وتجارت کی ترقی اور حکومت کی مرکزیت کی وجہ سے جب آہستہ آہستہ جاگیرداری نظام ختم ہوگیا تو ان موروثی محاصل نے، بتدریج جدید ٹیکسوں کی صورت اختیار کرلی۔''

جدید ٹیکسوں کا نہ صرف ڈھانچہ پرانے خطوط پر استوار کیا گیا ہے بلکہ ان میں روح بھی وہی کارفرما نظر آتی ہے۔ جو پرانے ٹیکسوں میں تھی۔ کہ حکمران طبقہ کی اعانت ہوتی رہے، البتہ پرانے زمانہ کے ٹیکس زیادہ ظالمانہ اس وجہ سے تھے کہ وہ غلاموں، کسانوں اور معاشرے کے غریب کاروباری طبقہ سے وصول ہو کر حکمران طبقہ کی عیش وعشرت میں صرف ہوتے تھے۔ مگر اب ان ٹیکسوں میں رواداری یوں پیدا کر دی گئی ہے کہ یہ ٹیکس کاروباری لوگوں کے علاوہ امیروں سے بھی وصول کیے جاتے ہیں۔ اور اس پر طرہ یہ کہ دور جدید میں انہیں غلامی کی علامت سمجھنے کی بجائے آزادی کا نشان سمجھا جاتا ہے۔(۱۹)

نظام ٹیکس میں یہ تبدیلی کیوں اور کس طرح رونما ہوئی؟ انسائیکلو پیڈیا محولہ بالا کے بموجب یہ تبدیلی کچھ نیک نیتی یا واقعی انسانی ہمدردی کی بنا پر بخوشی عمل میں نہیں لائی گئی بلکہ بامر مجبوری پرانے ظالمانہ ٹیکسوں کے خلاف بغاوت کے نتیجہ میں یہ تبدیلی رونما ہوئی۔ انسائیکلو پیڈیا مذکورہ نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے۔

Rebellin against arbitrary and oppresive tazatiion played a major role in modern histary. Such milestones in British

18- Encyclopedia Britannica "(1970), Vol 21 P-723, William Benton Publisher, Chicago.
19- Ibid P-723

constitutional history as the magna Charter (1215) and the Bill of Rights (1689) helped astablish the principle of consent and represantation in taxation. Failure to apply this prinsiple to the colonies played in little part in the Amercian Revolation. Much of desparation that exploded in the French Resolution grew out of Francis tax syatem - one of the most appressive and inequitable government, as well as many others, followed the practice of turning over the collaction of taxes to contrancts known as tax farmers, who often employed harsh meaures and aroused the hatred of the people. All the time of the Revolution. The System was abolished, and many of the tax farmers were. executed.(20)

''ظالمانہ اور جابرانہ ٹیکسوں کے خلاف بغاوت نے ایک نیاباب مرتب کیا ہے۔ انہی سنگ میل واقعات جیسے میگنا چارٹر (۱۲۱۵) اور اعلان حقوق (۱۶۸۹ء) نے برطانیہ کی آئینی تاریخ میں رضا مندی اور نمائندگی کے اصول وضع کرنے میں مدد دی۔ نو آبادکاری کی نمائندگی کے لیے اسی قانون کے اجراء میں ناکامی نے امریکی انقلاب میں بڑا کردار ادا کیا۔ اسی طرح فرانس کے نظام محاصل۔ جو دنیا کا ظالم ترین اور غیر منصفانہ نظام محاصل تھا، سے مایوسی، فرانسیسی انقلاب کی صورت میں نمودار ہوئی۔ فرانسیسی حکومت اور کئی دیگر حکومتوں نے ٹھیکہ پر ٹیکس دینے کا طریقہ اختیار کرلیا تھا۔ ٹھیکیدار۔ ٹیکس اجارہ دار کے نام سے مشہور تھے۔ یہ لوگ ٹیکس کی وصولی کے لیے نہایت سخت اور نفرت انگیز ہتھکنڈے استعمال کرتے تھے۔ بغاوت کے دوران یہ نظام ختم کر دیا گیا۔ اور کئی ٹیکس اجارہ داروں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔''

بہرکیف ان بغاوتوں کے نتیجہ میں ٹیکس کا پرانا نظام ختم ہوگیا اور اس کی جگہ نئے ٹیکسیشن سسٹم نے یوں لی کہ پرانے ٹیکسوں میں کچھ تبدیلی کرکے ان میں مزید ٹیکس شامل کر دیئے گئے۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا سوشل سائنسیز کے مطابق انکم ٹیکس برطانیہ میں ۱۷۹۹ء، آسٹریلیا میں ۱۸۴۹ء، اٹلی میں ۱۸۶۴ء، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور جاپان میں ۱۸۸۰ء جرمنی اور نیدر لینڈ میں

20- Ibid P-724

۱۸۹۰ء اور امریکا میں یہ ٹیکس ۱۹۱۳ء میں باقاعدگی سے شروع ہوگیا(۲۱) پھر ان ممالک کے بعد رفتہ رفتہ یہ ٹیکس دوسرے ممالک میں بھی جاری ہوگیا۔

مذکورہ انسائیکلوپیڈیا میں موت اور ھبہ ٹیکس کی کہانی بڑی تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ مختصراً ایڈم سمتھ (Adem Smith) کی کتاب دولت اقوام (The Wealth of Nation) میں روم کے وراثت ٹیکس۔ بیسوی پنی (Twentieth Penny) کا ذکر کیا گیا ہے۔ جب کہ دولت مشترکہ میں اس ٹیکس کا وجود ۱۹۶۴ء میں بیان کیا گیا ہے۔ البتہ جدید انداز میں اس کا اجراء ۸۰-۱۷۷۹ء سے قبل نہیں ہوسکا۔ امریکا کی مرکزی حکومت نے خانہ جنگی (Civil War) اور اسپین امریکا جنگ کے دوران وراثت ٹیکس لاگو کیا۔ جہاں تک امریکا کا موجودہ وراثت ٹیکس ہے یہ ۱۹۱۹ء سے شروع ہوا ہے۔(۲۲)

ان ٹیکسوں کے علاوہ اور بھی بہت سے ٹیکس مثلاً ایکسائز ڈیوٹی، سیلز ٹیکس وغیرہ جنگی یا دیگر ضروریات کے تحت عائد ہوتے رہے۔ مگر یہ ٹیکس بعد میں مستقل حیثیت اختیار کرگئے۔ حتی کہ آج بھی اکثر و بیشتر ممالک میں یہ ٹیکس بدستور رائج ہیں۔

ماہرین اقتصادیات ان ٹیکسوں کے کئی فوائد بتاتے ہیں۔ مثلاً ان سے ملکی معیشت کا توازن برقرار رکھا جاتا ہے۔ ملکی سرمایہ کو بڑھا کر اس سے ملکی معیشت کو ترقی دی جاتی ہے۔ ان کے ذریعے ملک میں افراط زر کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ بیرونی مصنوعات کے مقابلہ میں ملکی مصنوعات کو تحفظ اور ترقی دی جاسکتی ہے۔ دوست ممالک کے درمیان باہمی تجارت اور دوسرے اقتصادی تعلقات کو خوش اسلوبی کے ساتھ بڑھایا جاسکتا ہے۔ اور ان ٹیکسوں کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان کی بدولت حکومت کو کافی آمدنی حاصل ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ ضروری اخراجات اور بعض اہم منصوبے پورے کرسکتی ہے۔

مگر ان تمام فوائد کے باوجود عہد حاضر کے ٹیکسوں میں عملاً سب سے بڑی خرابی یہ پائی جاتی ہے کہ ان کی وجہ سے معاشرہ میں موجود۔ دو طبقات امیر اور غریب کے مابین پائے

21- International Encyclopedia of the Social Science, (1972), P-529, The Macmillan Company and Free Press New Yark.

22- Ibid. Page- 556

جانے والے معاشی اور معاشرتی فرق میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً بالواسطہ ٹیکس (۲۳) جن کا زیادہ تر بوجھ غریبوں کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے۔ ان کی بدولت امیر امیر تر اور غریب غریب تر بنتے جا رہے ہیں۔ جہاں تک بلاواسطہ ٹیکسوں کا تعلق ہے۔ گو کہ ان کا بوجھ صرف امراء ہی تک محدود رہتا ہے لیکن ان میں چوری چکاری اور فریب دہی کو کنٹرول کرنا آج کسی بھی حکومت کے بس میں نہیں رہا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہوشیار اور چالاک لوگ اپنے آپ کو بڑی آسانی کے ساتھ ان ٹیکسوں سے بچا لیتے ہیں۔ اس امر کی تائید اکبر جی مرچنٹ، ایف۔ سی۔ اے کی درجہ ذیل رپورٹ سے بخوبی ہوسکتی ہے۔

''ہر ایک اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ اس ملک میں اپنے آپ کو ٹیکسوں سے بچا لینا حیران کن حد تک پہنچ گیا ہے۔ ہمارے معاشرے میں کالے دھن کی خرابی سرطان (Cancer) کی طرح چھا گئی ہے۔ چونکہ کالے دھن پر ٹیکس عائد کرنا مشکل امر ہے۔ بنا بریں بچتیں غیر منافع بخش اور ناپسندیدہ راستوں میں صرف ہوجاتی ہیں۔ یا پھر یہ بچتیں عیاشی کے کاموں اور متکبرانہ اخراجات کی نذر ہو جاتی ہیں۔ (۲۴)

موجودہ ٹیکسوں میں ٹیکس افسروں کی بددیانتی اور خورد برد کے بارے میں جو خبریں اخبارات میں شائع ہوتی ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ یہاں صرف ایک رپورٹ کا حوالہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جو جنوری ۱۹۸۸ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں پبلک اکاؤنٹ کمیٹی (PAC) نے پیش کی تھی۔ اور جس پر طارق بٹ صاحب نے اخبار مسلم اسلام آباد مورخہ ۲۱/جنوری ۱۹۸۸ء میں ایک دلچسپ تبصرہ شائع کیا تھا۔ جس کا عنوان یہ تھا۔ بٹ صاحب اپنے تبصرے میں کمیٹی کے حوالہ سے موجودہ ٹیکس سسٹم کی خرابی کے بابت لکھتے ہیں:

۲۳۔ معاشین بوجھ (Burden) کے لحاظ سے ٹیکس کو دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:

i۔ بلاواسطہ ٹیکس (Direct Tax) اس سے مراد وہ ٹیکس ہے جس کا بوجھ ٹیکس ادا کنندہ خود برداشت کرتا ہے اور اسے صارفین کی طرف منتقل نہیں کرسکتا۔ جس کی مثال آمدنی ٹیکس (Income Tax) دولت ٹیکس (Wealth Tax) جائیداد ٹیکس (Property Tax) اور تحفہ ٹیکس (Gift Tax) وغیرہ ہیں۔

ii۔ بالواسطہ ٹیکس (Indirect Tax) اس سے مراد وہ ٹیکس ہے جس کی ادائیگی تو ٹیکس دہندہ خود کرتا ہے مگر اس کا بوجھ دوسرے صارفین کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ جس کی مثال بکری ٹیکس (Sales Tax) محصول درآمد (Custom Duty) اور چنگی ٹیکس (Excise Duty) وغیرہ ہیں۔

24- The Monthly Tax Observer April, 1984, P-34 Pakistan Taxation Club, Garden Road, Karachi.

''کمیٹی نے مروّجہ نظام محاصل کو مسترد کرتے ہوئے اسے ٹیکس عائد اور وصول کرنے کا ایک پیچیدہ اور بوجھل قانونی ڈھانچہ (ادارہ) قرار دیا ہے۔ جس میں ٹیکس وصول کنندہ گان کو غیر معمولی امتیازی اختیارات حاصل ہیں۔ اور جس کی متنوع قسم کی ٹیکس ایجنسیاں ہیں۔''

ٹیکس ایجنسیوں کی خرابی کی ایک بڑی وجہ سخت کنٹرول اور ٹیکس کارندوں اور ٹیکس وصول کرنے والوں کی امتیازی اختیارات ہیں۔ اس نظام میں کنٹرول اور رشوت ستانی ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ اور اس کی خرابی کی ایک وجہ ٹیکس انتظامیہ خود ہے۔ (۲۵)

''کمیٹی کا یہ حتمی خیال ہے کہ ملک میں موجودہ ٹیکس کے قانونی/ انتظامی ڈھانچہ کو بالکل بدل دیا جائے۔ کیونکہ یہ دیانتداروں کے جذبات کو مجروح کرتا اور بددیانت ٹیکس دہندہ لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اگرچہ ٹھیک طور پر اندازہ لگانا مشکل ہے کہ کس قدر ٹیکس کی رقم سے لوگ خود کو بچالیتے ہیں یا کتنی رقم لوگ بالکل ادا نہیں کرتے۔ مگر پھر بھی موجودہ ٹیکس نظام کو محض اس وجہ سے بھی موقوف کر دینے کی ضرورت ہے کہ اس نظام نے سارے ملک کو بدعنوان بنا دیا ہے۔ لوگ موجودہ ٹیکس نظام سے تنگ آ چکے ہیں۔ وہ پیوند کاری نہیں چاہتے۔ بلکہ وہ ایک جمہوری حکومت سے یہ توقع رکھنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ ملک میں ایک ایسے ٹھوس نظام کی بنیاد رکھے جو ایک صحتمند معاشی فضا کو قائم رکھ سکے۔(۲۶)

۲۵۔مسلم اخبار اسلام آباد میں طارق بٹ صاحب کی تحریر کا اقتباس ملاحظہ ہو:

The Committee Disapproved the Prevailing taxation system and dubbed it as complicated and cumber some legal / administration from work for leay and collection of taxes, extra-ordinary power enjoyed by the tax collectors and multipli city of tax agencies.... "One of the major sources of corruption in the tax administration agencies was the excersice control and discretionary Powers enjoyed by the tax officials and collectors of taxes, The control and corruption go hand in hand and one of the manifestations of this principle is the tax administration itself"

26-The Committee is of the Considered view that the existing legal / administrative framework of taxation in the country should be radically altered, as it is hurting the honest and helping the dishonest tax-payers. Although it is not possible to realistically estimate the extent of evasion and avoidance of revenue, the existing system needs to be discarded simply on the grounds that it has corrupted the entire country. The People of the Country are sick of existing tax structure and thay do not want a patch work. What they expect from a democratic governmnet is that is should lay the foundation for a taxation system in the country which could lead to healthy economic environment".

رائے عامہ کے علاوہ سرکاری سطح پر بھی موجودہ ٹیکسوں کو پذیرائی حاصل نہیں ہے۔ اس حقیقت کا اظہار محمد یٰس خان وٹو صاحب کی اس تقریر سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ جو انہوں نے بطور وزیر خزانہ سالانہ بجٹ پیش کرتے ہوئے اسمبلی میں کی تھی۔ ان کی تقریر کا ماحاصل یہ ہے:

''ہمارے موجودہ نظام محاصل میں کئی خامیاں موجود ہیں۔ اس نظام کو قبولیت عامہ نصیب نہیں ہے۔ ٹیکسوں کی اونچی شرح لوگوں کو ٹیکس کی ادائیگی سے پہلو تہی کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ ان کا پیچیدہ قانونی طریق کار بدعنوانی پھیلاتا، ٹیکس دہندہ کو خوف زدہ کرتا اور اس کی عزت کو مجروح کرتا ہے۔ یہ نظام خیانت اور رشوت ستانی کی پرورش کرتا ہے۔ رشوت خور کارندہ اور ٹیکس سے پہلو تہی کرنے والے کی ملی بھگت، قومی مفاد کو سخت نقصان پہنچاتی ہے۔ (۲۷)

مذکورہ بالا تاریخی حقائق وشواہد سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قدیم روم و ایران اور ان کے ماتحت دوسری حکومتوں کا نظام محاصل کسی خاص قاعدہ یا قانون کا پابند نہیں تھا۔ بلکہ حکمران اپنی من مانی اور ذاتی ضروریات کی خاطر رعایا پر ٹیکس لگا کر ان کی وصولی میں کسی ظلم و زیادتی سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ اور لگان کی وصولی کا یہ ظالمانہ نظام، شام وعراق اور ان سے ملحقہ علاقوں میں اسلامی حکومت کے قیام تک بدستور جاری رہا۔ جہاں تک آج کے نظام محاصل کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں بھی مختلف حوالوں سے یہ بات ثابت کی گئی کہ یہ ٹیکس بھی کسی طرح عوامی فلاح و بہبود کا باعث نہیں ہیں۔

اس مقالے کا توضیح طلب گوشہ اب یہ رہ گیا ہے کہ نظام محاصل کی اصلاح کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین نے کیا انقلابی اقدامات کیے؟ اور انہوں نے کس طرح اس نظام کو ہر قسم کی ظلم و زیادتی سے پاک کرکے اس عام لوگوں کی فلاح و بہبود کا ضامن بنایا؟

۳۔ نظام محاصل میں اسلامی انقلابی اصلاحات

نظام محاصل میں اہل اسلام کی اصلاحی اقدامات کا ذکر کرنے سے پیشتر مناسب معلوم

27- "Finance Minister's Budget Speech"1986-87, Government of Pakistan, Finance Division, Islamabad.

ہوتا ہے کہ محاصل کے بارے میں اسلامی پالیسی کی اس روح کی نشاندہی کر دی جائے جس کی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین نے اس نظام کی اصلاح کی۔

درحقیقت زندگی ایک کل ہے جسے علیحدہ علیحدہ مختلف جزیروں میں بانٹا نہیں جاسکتا۔ دورِ جدید کی پریشانی اور ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اس نے اس بنیادی حقیقت کو نظرانداز کردیا ہے۔ جس کی وجہ سے آج زندگی عملی طور پر لامتناہی غیر مربوط اجزاء میں بٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور اس کے مختلف شعبہ جات آپس میں متضاد و متصادم دکھائی دیتے ہیں۔ جب کہ اسلام زندگی کے تمام گوشوں کو ایک ہی تار میں پرو کر انہیں مربوط اور باہم پیوست بنا دینا چاہتا ہے تاکہ زندگی کے مختلف شعبہ جات میں مغایرت و منافرت کی بجائے موافقت ویگانگت کی فضا قائم رہے۔ چنانچہ اسلام زندگی کے ہر میدان اور ہر قدم پر ہر ایک ہی حکم دیتا ہے اور وہ ہے قیام عدل و احسان۔

ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان (۱۶۔۹۰)

بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

عدل و احسان کا یہ حکم عام ہے۔ اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر ہر گوشہ کو محیط ہے۔ نظام محاصل جو انسان کی اجتماعی معاشی زندگی کی شیرازہ بندی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے اس حکم سے مستثنیٰ قرار دینا ملت کی اجتماعی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

چنانچہ آیت مذکورہ بالا کے تناظر میں عدل کا تقاضا یہ ہے کہ اسلامی حکومت لوگوں کو ہمہ قسم کی سہولتیں مہیا کرکے ان سے ان کی استطاعت کے مطابق ٹیکس وصول کرے۔ تاکہ یہ ٹیکس ان پر بوجھ بن کر ان کی کارکردگی کو متاثر نہ کرنے لگیں۔ ورنہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ نفع بخش کاموں میں دلچسپی لینا چھوڑ بیٹھیں گے۔ اور مجموعی قومی آمدن میں کمی آنا یقینی بن جائے گا۔ لہٰذا ٹیکسوں کی تشخیص وتحصیل کے بارے میں قرآن مجید کی درج ذیل آیت کو مدنظر رکھنا لازمی ہے:

لایکلف اللّٰہ نفساً الاوسعھا (۲۸۶:۲)

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

مندرجہ بالا آیت کی رو سے اگر حکومت کسی فرد یا کسی طبقہ پر اس کی استطاعت سے بڑھ کر ٹیکس عائد کرے گی تو اس کا یہ عمل عدل کے منافی تصور ہوگا۔ جس کی اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

احسان کا تقاضا یہ ہے کہ کسی شخص کی ذاتی ضرورت میں مصروف آمدنی پر ٹیکس عائد نہ کیا جائے۔ بلکہ اس کی زائد از ضرورت آمدنی پر ٹیکس مقرر کیا جائے۔ جس کے لیے قرآن مجید کی درج ذیل آیت دلیل ہے:

یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو. (۲۱۹:۲)

آپ سے پوچھتے ہیں کہ راہ خدا میں کیا خرچ کریں۔ بتادیجیے کہ جو تمہاری ضرورت سے زائد ہو۔

ٹیکسوں کے بارے میں عدل و احسان پر مبنی اسلامی پالیسی کے بارے میں مولانا تقی امینی لکھتے ہیں:

''دستور الٰہی میں عدل و احسان دو ایسے لفظ ہیں جو ٹیکسوں کے بارے میں خلافت کی پالیسی کو متعین کرتے ہیں۔ بالخصوص احسان کا حکم عدل کے ساتھ نہایت غور طلب ہے جو محصول وصول کرنے والوں کا زاویہ نگاہ بھی بدل دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ کاشتکاروں کے ساتھ صرف عدل ہی کا معاملہ نہیں ہے۔ بلکہ ان کی خوش حالی اور بہتری کے لیے ان کے ساتھ احسان اور سلوک کا برتاؤ بھی ہے۔ جس سے ایک طرف تو یہ ہوتا ہے کہ کاشتکار مفاد خلق کے لیے اپنی ہر چیز قربان کرکے کاشت کا انتظام کرتا ہے اور دوسری طرف یہ کہ خلافت اس کے ساتھ ہر قسم کے احسان و سلوک کرنے میں سبقت کرتی ہے۔ غرض اس طرح فاستبقوا الخیرات (ایک دوسرے سے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں سبقت کرو) کی عملی تصویر سامنے آجاتی ہے''(۲۸)

محاصل کے بارے میں اسلامی پالیسی کی وضاحت کے بعد اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین نے نظام محاصل کی اصلاح کے سلسلہ میں جو عملی اقدامات کیے، انہیں فرداً فرداً ذکر کر دیا جائے تاکہ قارئین کے سامنے اسلامی پالیسی کی عمل پذیری (Practicability) کا عملی نمونہ واضح ہو جائے اور وہ متعصب ناقدین کے

۲۸۔ امینی، محمد تقی، مولانا، ''اسلام کا زرعی نظام'' ص: ۲۲۶

اس غلط پروپیگنڈہ سے ہرگز متاثر نہ ہوں کہ اسلام کا تعلق صرف انسان کے عقائد وعبادات یا اس کی نجی زندگی سے ہے اور یہ انسان کی عملی و اجتماعی زندگی میں قابل عمل (Workable) نہیں ہے۔

۳۔۱۔ نظام محاصل میں بنیادی انقلاب

مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی حیثیت ایک مغلوب اقلیت کی سی تھی۔ جہاں ان کی تربیت محض انفرادی اصلاح کی سطح تک محدود تھی۔ لیکن جب وہ ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور وہاں انہیں سیاسی استحکام حاصل ہوگیا جس کی بدولت ان کی اپنی ایک علیحدہ چھوٹی مگر مضبوط ریاست قائم ہوگئی تو ابتداء میں اسے دو ضروری مصارف۔ بیرونی دشمنوں سے حفاظت اور مدینہ میں موجود ناداروں کی کفالت کے لیے مالی وسائل کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ جنگی مہمات کے اخراجات ہنگامی طور پر چندہ وغیرہ جمع کرکے پورے کرلیے جاتے تھے۔ جب کہ غرباء اور دیگر اہل حاجت کی کفالت کا باقاعدہ بندوبست بحکم خداوندی ''زکوٰۃ، عشر اور صدقات وغیرہ کے ذریعے کرلیا گیا۔ ان کے علاوہ چند دوسرے ذرائع آمدن مثلاً مال غنیمت، فئی وغیرہ بھی تھے۔ ان کی تفصیلی ذکر یہاں خارج از بحث ہے۔

محاصل جو اجتماعی مالیت میں نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اسلام سے قبل، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان ہوا۔ غریبوں سے وصول ہو کر حکمران اور امراء طبقہ کی پرورش اور عیش و عشرت کا ذریعہ بن جاتے تھے۔ معاشی اصلاحات کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا اور اہم اقدام، جس کی طرف معاشی انقلاب کے علمبرداروں نے کبھی توجہ ہی نہیں دی یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے مروجہ نظاموں کے برعکس امیروں کی دولت میں غریبوں کا حصہ مقرر فرما دیا۔ جو عین فطرت اور انصاف پر مبنی ایک نہایت اہم انقلابی اقدام ہے۔ غریبوں کا یہ حصہ زکوٰۃ وعشر کی صورت میں امیروں سے وصول کرکے ان کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر اسلامی بیت المال کے مختلف شعبوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ان میں سے کوئی بھی شعبہ ایسا نظر نہیں آئے گا جس میں غریبوں اور ناداروں کی کفالت کا خاطر خواہ بندوبست نہ کیا گیا ہو۔

۳۔۲۔ وحشیانہ سزاؤں کا انسداد

جب اسلامی حکومت کی سرحدیں ملک حجاز سے آگے بڑھ کر ملحقہ علاقوں تک وسیع

ہوگئیں تو اس کے سامنے سب سے پہلا مسئلہ یہ تھا کہ کس طرح ان مظالم کا انسداد کیا جائے جو تحصیل محاصل کے سلسلہ میں حکمران عوام پر روا رکھتے تھے۔ چنانچہ خلفائے اسلام نے اپنے عاملوں کو تاکیدی احکامات جاری کیے کہ کاشتکاروں پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے۔ اگر وہ وقت مقررہ پر لگان ادا نہ کرسکیں تو انہیں مزید مہلت دی جائے تاکہ وہ آسانی کے ساتھ یہ لگان ادا کرسکیں۔ اسلامی مالیات پر لکھی گئی کتابوں میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ جب کبھی مسلمان خلفاء نے کسی ذمی پر ظلم و زیادتی ہوتے دیکھی تو اسے فی الفور بند کرنے کا حکم دیا۔ ان میں سے چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

حضرت عمرؓ شام سے واپس آرہے تھے۔ راستہ میں ان کا گزر چند ایسے آدمیوں پر ہوا۔ جنہیں دھوپ میں کھڑا کرکے ان کے سر پر گرم تیل انڈیلا جارہا تھا۔ جب آپؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ کو بتایا گیا کہ جزیہ ادا نہ کرنے کی پاداش میں انہیں یہ سزا دی جارہی ہے۔ آپ نے دریافت کیا کہ اس بارے میں وہ کیا عذر پیش کررہے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس مال نہیں ہے۔ جس میں سے ہم جزیہ ادا کرسکیں تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا:

"دعوهم لا تكلفوهم مالا يطيقون فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا تعذبوا الناس فان الذين يعذبون الناس في الدنيا يعذ بهم الله يوم القيامة وامرهم فخلي سبيلهم" (۲۹)

انہیں چھوڑ دو۔ انہیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف میں نہ رکھو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے" لوگوں کو عذاب نہ دو۔ جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں عذاب دیگا۔ حضرت عمرؓ نے ان کی خلاصی کا حکم دیا تو انہوں نے انہیں رہا کردیا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ ہشام بن حکیم بن حزام کے متعلق بھی مروی ہے کہ وہ فلسطین میں ایسے لوگوں پر سے گزرے جن پر جزیہ وصول کرنے سے سختی کی جارہی تھی۔ تو ہشام نے کہا۔

۲۹۔ابو یوسف، قاضی یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج (۱۳۰۲ھ) ص: ۱۳۵، بولاق۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دردناک عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو سخت سزائیں دیتے ہیں۔(۳۰)

حضرت عمرؓ آخری وقت میں اپنے بعد بننے والے خلیفہ کے لیے اہل ذمہ کے بارے میں یہ وصیت کر کے چھوڑ جاتے ہیں:

"اوصی الخلیفة من بعدی باهل الذمه خیراً ان یوفی لهم بعهدهم وان یقاتل من ورائهم وان لایکلفوافوق طاقتهم"(۳۱)

میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ اہل ذمہ کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے۔ ان کی حفاظت کے لیے لڑے۔ اور (خراج جزیہ وغیرہ کی وصولی میں) ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔

چنانچہ حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ کی اس وصیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے عاملوں کو حکم دیتے ہیں:

"ان لایاخذ منهم الافضلهم عن رضائهم"(۳۲)

ان سے ان کی رضا مندی کے مطابق وہ مال وصول کیا جائے جو ان کی ضروریات سے زائد ہو۔

۳-۳۔ بیگار سسٹم کا خاتمہ

قدیم روم و ایران اور ان کے زیر نگین علاقوں میں ایک ظالمانہ دستور بیگار سسٹم کا رواج تھا۔ اس رواج کے مطابق حکومت بڑے بڑے جاگیرداروں سے بیگار لینا چاہتی تو جاگیردار اور زمیندار غریب کاشتکاروں کو اپنے بدلے میں پیش کر کے خود کو اس بیگار سے چھڑا لیتے تھے۔ حکومت بلا معاوضہ زبردستی ان لوگوں سے کام کراتی تھی۔ اس کے علاوہ جاگیردار اور زمیندار خود بھی کاشتکاروں سے اپنے گھریلو کام کاج مفت کراتے تھے۔ اسلام نے اس ظالمانہ رسم کا درج

۳۰۔ابوعبید، قاسم بن سلام "کتاب الاموال" (۱۳۵۳ھ) مصطفیٰ محمد المکتبۃ التجارۃ الکبریٰ۔مصر

۳۱۔ابو یوسف، کتاب الخراج" ص: ۱۳۶

۳۲۔البخاری، ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل، متن البخاری مع حاشیہ السندی "جزء۲ص: ۲۹۹، دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر بیروت، لبنان

ذیل فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت خاتمہ کر دیا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ ثلثة انا خصمهم يوم القيامة رجل اعطى بى ثم غدر و رجل باع حرافا كل ثمنه و رجل استاجر اجيرا فاستوفى منه ولم يعطه اجره. (۳۳)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن، میں تین قسم کے آدمیوں سے جھگڑا کروں گا۔ ایک وہ آدمی کہ جس نے مجھ سے عہد کیا۔ پھر اسے پورا نہ کیا۔ دوسرا وہ آدمی جس نے آزاد آدمی کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھالی۔ تیسرا وہ شخص جس نے کسی آدمی کو مزدوری پر لگایا۔ پس اس سے کام تو پورا لیا مگر اسے اجرت ادا نہ کی۔

مندرجہ بالا حدیث کی بنا پر ابن حزم لکھتے ہیں: کاشتکار سے کاشتکاری کے علاوہ کوئی اور خدمت لینا جائز نہیں ہے۔ جیسے مکان بنوانا۔ اس کی تعمیر کرانا۔ صفائی وغیرہ کرانا۔ یا باغ کی دیوار بنوانا۔ یا اسی قسم کے دوسرے کام کاج کرانا اور اگر اس قسم کے کاموں کو شرائط مزارعت میں شامل کر لیا گیا تو اس سے معاملہ مزارعت ہی فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ کاشتکار کے ذمہ صرف وہی کام ہیں جو اجرت پر لی ہوئی زمین سے متعلق ہوتے ہیں۔ (۳۴)

صرف مزارعت ہی کی بات نہیں ہے بلکہ اس قسم کے تمام معاملات بیع فاسد کے زمرے میں داخل ہیں۔ جن کی مزید تفصیلات ھدایہ وغیرہ فقہی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

۳۔۴۔ رسوم کی ممانعت

قدیم نظام محاصل کے تحت، حکومت اس کے کارندے، جاگیردار اور بڑے بڑے زمیندار، کسانوں سے لگان کے علاوہ ''رسوم یا رواج'' کے نام سے زائد رقم وصول کر کے ان کا استحصال کرتے تھے۔ ان کارندوں وغیرہ کے نزدیک، ان رسوم کی ادائیگی لگان سے بھی زیادہ ضروری سمجھی جاتی تھی۔ کیونکہ جب عامل لوگوں کے پاس خراج وصول کرنے کے لیے اپنے

۳۳۔ ایضاً جزء ۲، ص: ۳۴۰

۳۴۔ ابن حزم، ابی محمد علی بن احمد بن سعید ''المحلی'' (۱۳۴۹ھ) ج: ۸، ص: ۲۳۲ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، مصر

کارندے روانہ کرتے تو ان سے کہہ دیا کرتے تھے کہ میں نے خراج وصول کرنے کے لیے تیری اتنی اجرت (مزدوری) مقرر کر دی ہے۔ مزدوری لوگوں سے وصول کرلے۔ اسی مزدوری کا نام بعد میں رسوم اور رواج، پڑ گیا تھا۔ بقول قاضی ابویوسف بعض اوقات اس کارندے کی اجرت خراج کی اصل رقم سے بھی بڑھ جاتی تھی۔ جسے وہ کارندہ کسی بھی صورت میں معاف نہیں کرتا تھا۔ بلکہ اس کے بدلہ میں اگر لوگوں کی بکریاں وغیرہ جو کچھ بھی ہاتھ آتا تھا۔ ان سے زبردستی چھین کر اپنے ساتھ ہانک کرلے جاتا۔(۳۵)

اسلامی نظام محاصل میں اس قسم کے رسوم و رواج کی کوئی گنجائش نہیں چنانچہ قاضی ابویوسف، ہارون الرشید کو صریحاً لکھتے ہیں:

"ولایوخذ منهم قدیسمونه رواجا"(۳۶)

''اور ان سے وہ رقم ہرگز وصول نہ کی جائے جو رواج کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔''

قاضی اس ممانعت کی یہ توجیہ کرتے ہیں:

''وهذا کله ضرر علی اهل الخراج و نقص للفئی مع مافیه من الاثم''(۳۷)

''اور یہ سب کچھ اہل خراج کے لیے ضرر اور نقصان کا باعث ہے۔ اور حکومت کی آمدنی کو نقصان پہنچنے کے علاوہ اس میں گناہ بھی ہے۔

ظلماً وصول کیے جانے والے ٹیکسوں کا آخری نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ لوگ تحصیلداروں کے مظالم سے بچنے کے لیے دوسرے ناجائز طریقے اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ایک طرف ٹیکسوں کے ذریعے وصول ہونے والی آمدنی، حکومت کے بیت المال میں پہنچنے کی بجائے خوردبرد کی وجہ سے کارندوں کی جیب میں چلی جاتی ہے۔ جب کہ دوسری جانب کاشتکار وغیرہ تنگ آ کر زراعت اور دوسرے پیدا آور اور کاروبار میں دلچسپی لینا چھوڑ دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بیروزگاری میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ اور ملکی پیداوار مجموعی قومی آمدن میں مزید کمی آجاتی ہے حتیٰ کہ سارا ملک معاشی بحران کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔

۳۵۔ابویوسف، کتاب الخراج ص: ۱۱۶ ۳۶۔ایضاً ص: ۱۱۸ ۳۷۔ایضاً ص: ۱۱۶

۳۔۵۔ بھینٹ کی ممانعت

اسلامی حکومت کے قیام سے پیشتر بعض علاقوں میں یہ دستور تھا کہ حکمران مختلف تہواروں پر پختہ مکانات بنانے پر یا دوسرے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل پر کاشتکاروں سے کچھ مال یا رقم وصول کرتے تھے۔ جسے انہوں نے بھینٹ کا نام دے رکھا تھا۔ یہ غلط دستور بعض مسلم ممالک میں بھی رواج پاگئے۔ جیسا کہ ابوعبید قاسم بن سلام لکھتے ہیں:

''بنی امیہ میں یہ دستور تھا کہ ٹھپہ لگانے والوں کی اجرت، چاندی پگھلانے کا معاوضہ، نورز و مہرجان کا ہدیہ وغیرہ خراج میں شامل کرکے لوگوں سے وصول کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہد حکومت میں ان تمام رسموں کو ممنوع قرار دیا'' (۳۸)

عہد عباسیہ میں یہ غلط دستور کسی طرح پھر رواج پاگیا۔ جس کے بارے میں قاضی ابو یوسف کو لکھنا پڑا۔

"ولا تاخذ..... هدية النيروز والمهر جان ولا ثمن الصحف ولا اجور الفيوج ولا اجور البيوت ولا دراهم النكاح" (۳۹)

نوروز اور مہر جان کے ہدایا (بھینٹ) رسید لکھائی کی اجرت نہر کے پانی کی اُجرت، مکان کی اجرت (ہاؤس ٹیکس) اور نکاح ٹیکس وغیرہ ہرگز وصول نہ کیا کر۔

قاضی صاحب اہل ذمہ کے بارے میں بھی ہارون الرشید کو ان الفاظ کے ساتھ نصیحت کرتے ہیں:

"لايظلموا ولا يؤذوا ولا يكلفوا فوق طاقتهم ولا يؤخذ شيئاً من اموالهم الابحق يجب عليهم" (۴۰)

نہ ان پر ظلم کیا جائے، نہ انہیں ایذا دی جائے اور نہ ہی ان کی استطاعت

۳۸۔ ابوعبید ''کتاب الاموال'' ج: ۱، ص: ۴۶۔۴۷

۳۹۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص: ۹۳

۴۰۔ ایضاً ص: ۱۳۵

سے زیادہ بوجھ ان پر ڈالا جائے اور حق کے سوا کوئی چیز ان کے اموال سے وصول نہ کی جائے۔

فقہاء اسلام کے اقوال سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ اہل ذمہ پر صرف جزیہ وخراج کی ادائیگی لازم ہے۔ دوسرے اسلامی محاصل کی ادائیگی ان پر لازم نہیں ہے۔ اور اگر خدانخواستہ بعض غلط قسم کے محاصل کسی اسلامی حکومت میں رواج پا جائیں تو از روئے شریعت ان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی۔

۳۔۶۔ ٹیکس کے عوض مال قرض کرنے کی ممانعت

اسلام سے قبل ٹیکس کی وصولی کے سلسلہ میں ظلم و زیادتی کی ایک صورت ٹیکس کے بدلہ میں مال قرق کرنے کا دستور تھا چنانچہ اگر کاشت کار پیداوار میں کمی واقع ہو جانے کی وجہ سے مقررہ لگان ادا کرنے کے قابل نہ رہتا۔ گویہ کمی کسی قدرتی آفت یا کسی دیگر معقول عذر کی بنا پر ہوتی۔ مگر حکومت یا علاقہ دار پھر بھی اس کے زراعتی آلات ہل، بیل یا گاڑی وغیرہ ضبط کرکے یا اس کے دوسرے مال اسباب اور ضروریات زندگی کو نیلام کرکے اپنا ٹیکس وصول کر لیا کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے کاشتکار بے دست و پا بن کر آئندہ روزی کمانے کا اہل نہ رہتا۔

خلفائے اسلام نے اس دستور کا سختی سے نوٹس لیا۔ اور اپنے عاملین کو حکم جاری کیا کہ وہ لگان واجب ہونے کے باوجود کاشتکاروں کے آلات زراعت اور ضروریات زندگی کو کسی بھی صورت میں نیلام نہ کریں۔ اس کی مثال حضرت علیؓ کا وہ فرمان ہے جو انہوں نے عکبری کے عامل کو بھیجا تھا۔ آپؓ نے انہیں لکھا:

''دیکھو! خراج وصول کرنے کے لیے نہ تو ان کا گدھا فروخت کرنا۔ نہ گائے نہ بیل۔ اور نہ ان کا گرمی کا لباس بیچنا اور نہ ان کے سردی کے کپڑے۔ ان سے نرمی برتنا اور حتیٰ الامکان ان کی سہولت کا خیال رکھنا'' (۴۱)

محاصل کے بارے میں اسلام کی معاشی پالیسی کو کافی مدت کے بعد کچھ آج ہی ماہرین اقتصادیات سمجھ پائے ہیں۔ اب وہ بھی یہی کہتے نظر آتے ہیں کہ ٹیکس اس قدر بھاری نہ

۴۱۔ ابوعبید ''کتاب الاموال'' ج: ۱، ص: ۴۴

ہوں جس کی وجہ سے کسی شخص کی پیداواری صلاحیت متاثر ہو کر اس کی کاروباری زندگی مفلوج ہو کر رہ جائے۔

۳۔۷۔حمی کی ممانعت

حمی سے مراد وہ افتادہ سرسبز و شاداب سرکاری زمین ہے جسے کوئی فرد بعوض ٹیکس یا بلاٹیکس سرکار کی اجازت سے محفوظ کر لیتا ہے۔ جس سے وہ خود تو فائدہ اٹھا سکتا ہے مگر دوسرے لوگوں کو قانوناً فائدہ اٹھانے سے باز رکھ سکتا ہے۔ ہماری اردو وغیرہ زبانوں میں اسے "راکھا" کہا جاتا ہے۔ اسلام سے قبل یہ دستور تھا کہ حکومت کسی بڑے زمیندار کو اجازت دے دیتی تھی کہ وہ کسی سرکاری زمین کو حمی بنا کر اس سے فائدہ اٹھاتا رہے۔ چونکہ اس قسم کی حمی سے عوام بالخصوص غریب کاشتکاروں کو کافی دقت پیش آتی تھی۔ ان کے جانوروں کے گھاس چارہ کے ذرائع مسدود ہو جاتے تھے۔ اس وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے حمی کو ممنوع قرار دیتے ہوئے فرمایا:

لاحمی الا اللّٰہ ولرسولہ. (۴۲)

"حمی کی حد بندی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کے لیے روا نہیں ہے۔"

چنانچہ مندرجہ بالا فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فقہاء، مخصوص لوگوں کے لیے حمی بنانا ناجائز قرار دیتے ہیں۔ البتہ اس فرمان کی رو سے وہ خلافت (حکومت) کے لیے، جہاد اور صدقات کے جانوروں کی چرائی کی خاطر حمی بنانا جائز بتاتے ہیں اور اگر بارش کی کمی یا کسی دوسری آفت کی وجہ سے عام لوگوں کے مویشیوں کے گھاس چارہ کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ تو فقہاء اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ سرکاری حمی عام لوگوں کے مفاد کی خاطر کھلی چھوڑ دی جائے۔ فقہاء اس قول کو حضرت عمرؓ کے اس حکم پر محمول سمجھتے ہیں۔ جو انہوں نے اپنے آزاد کردہ غلام ہنی کو دے رکھا تھا۔ کہ غریب عوام سرکاری چراگاہ میں اپنے مویشی چرا لیا کریں تاکہ انہیں بیت المال سے زیادہ تاوان ادا کرنے کی نوبت نہ آئے۔ البتہ امراء کے لیے انہوں نے اجازت

۴۲۔البخاری، متن البخاری، ج:۲ص:۵۳

نہیں دی۔ کیونکہ ان کے پاس گزربسر کے دیگر کئی ذرائع ہوتے ہیں۔(۴۳)

حضرت عمرؓ کے اس فرمان میں ان کی بالغ النظری کے دوعنوان ہمارے سامنے آتے ہیں:

۱۔ چھوٹا نقصان برداشت کرکے قومی خزانے کو بڑے نقصان سے بچانا۔

۲۔ امراء (مخصوص طبقہ) کے مفاد پر غرباء (عوام) کے مفادات کو ترجیح دینا۔

حضرت عمرؓ کی پالیسی موجودہ حکومتوں کی مالیاتی پالیسی کے یکسر مختلف نظر آتی ہے۔ دور حاضر میں حکومت کو اپنی مترفانہ طرز زندگی کی بناء پر اتنی فراغت حاصل نہیں ہوتی کہ وہ دور اندیشی سے کام لے کر غریب عوام کی قبل از وقت خبر لے سکے۔ جب رعایا پر کوئی بلایا آفت نازل ہوتی ہے۔ تب وہ اپنے خزانہ کا دہانہ اس کے لیے کھولتی ہے۔ جس سے غریب کم اور امیر زیادہ مستفید ہوجاتے ہیں اور ساتھ قومی خزانہ کا بھی کافی نقصان ہوجاتا ہے۔

غریب عوام اگر فاقہ کشی کی زندگی گزار رہے ہوں تو حکومت کو ان کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ جب کہ سرمایہ داروں کے کارخانوں کو نقصان سے بچانے کے لیے سرکاری قرضوں تک کو معاف کر دینا، اس کے لیے آسان ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ سرکاری قرضے قومی دولت سے دیئے گئے ہوتے ہیں۔ جس میں تمام رعایا برابر کی شریک ہوتی ہے۔ سرمایہ داروں کے کارخانے اگر بند بھی ہو جائیں وہ پھر بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔ ان کے پاس گزربسر کے کئی دیگر ذرائع موجود ہوتے ہیں۔ جب کہ اگر کسی غریب کی کھٹیالٹ جائے تو اس کی زندگی دوبھر ہوجاتی ہے۔

حضرت عمرؓ کے محولہ بالا فرمان کو مدنظر رکھتے ہوئے فقہاء کہتے ہیں۔ کہ خاص لوگوں کے لیے حمی بنانا جائز نہیں ہے۔ البتہ عام مسلمانوں یا فقراء و مساکین کے مویشیوں کے لیے

۴۳۔ قاضی ابو یوسف ہشام بن سعد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنے آزاد کردہ غلام ھنی کو سرکاری چراگاہ کا نگران مقرر کیا تو اسے یہ فرمان سنایا:

"(لا ویحک یا ھنی) اضنمم جناحک عن الناس واتق دعوۃ المظلوم فان دعوتہ مجابۃ ادخل لی رب الصریمۃ الغنیمۃ و دعنی من نعم عمان بن عفان و ابن عوف، فان ابن عفان وابن عوف ان ھلکت ماشیتھا رجعا الی المدینۃ الی نخل و زرع وان ھذا المسکین ان ھلکت ماشیتہ جانی یصحیح یا امیر المومنین! یا امیر المومنین! والماء والطلاء اھون علی من اعزم لہ ذھباً او ورقا (کتاب اخراج ص: ۱۱۳)

حمی بنانے کی گنجائش ہے۔(۴۴)

۳۔۸۔ عام استعمال کی اشیاء روک رکھنے کی ممانعت

زمانہ قدیم میں ایک غلط دستور یہ بھی رائج تھا کہ زمیندار عام استعمال کی بعض اشیاء مثلاً خود رو گھاس تالاب اور کنوؤں کے پانی، خودرو درختوں کی خشک لکڑی وغیرہ پر قبضہ کر لیتے تھے اور دوسرے لوگوں کو ان سے نفع اٹھانے نہیں دیتے تھے۔ اسلام نے اس قسم کی روک ٹوک کو ممنوع قرار دیا۔اور عام استعمال کی اشیاء سب انسانوں میں مشترک قرار دیں۔ البتہ اگر کوئی شخص محنت کر کے، کوئی چیز کاشت کرے یا لکڑی وغیرہ کاٹ کر اپنے قبضہ میں لے آئے تو اس محنت و مشقت کی وجہ سے وہ چیز اس کی ملکیت قرار پائے گی۔ مثلاً گھسیارے گا گھاس کاٹ کر اپنے قبضہ میں لے آنا۔ یاسقہ کا اپنی مشک میں پانی بھر کر اس کا مالک ہو جانا وغیرہ۔ ورنہ بالعموم یہ تمام اشیاء درج ذیل حدیث کی بناء پر عام لوگوں کے استعمال کے لیے وقف سمجھی جائیں گی:

"والمسلمون شركاء في ثلاث: في الماء والكلاء والنار"(۴۵)

تمام مسلمان تین اشیاء، پانی گھاس اور سوختہ میں برابر کے شریک ہیں۔

سرکاری چراگاہوں کے علاوہ بقول قاضی ابو یوسف اگر کسی اہل بستی کی اپنی مخصوص چراگاہ ہو جس میں انہیں کلی تصرفات حاصل ہوں حتی کہ وہ اس چراگاہ کو بیچنے کے بھی مجاز ہوں۔ مگر انہیں یہ حق پھر بھی حاصل نہیں ہوگا کہ وہ کسی دوسری بستی والوں کو اس چراگاہ کے خودرو گھاس اور پانی سے منع کر سکیں۔ (۴۶)

مندرجہ بالا چند شواہد سے اسلامی حکومت کے محاصل کے بارے میں یہ پالیسی واضح نظر آتی ہے:

(الف) نظام محاصل آسان، سہل الحصول اور قابل عمل ہو۔

(ب) محاصل کی تشخیص وتحصیل کا طریقہ کار ایسا ہو جس کی بدولت رعایا کی مرفہ الحالی میں اضافہ ممکن ہو۔ اور لوگ اس کے بوجھ تلے زندگی سے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور نہ ہوں۔

۴۴۔الماوردی، "الاحکام السلطانیۃ" ص ۲۹۶

۴۵۔ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، ج: ۲، ص: ۱۳۶

۴۶۔ابو یوسف، کتاب الخراج، ص: ۱۱۱

(ج) محاصل اس قسم کے نہ ہوں کہ تاجر اور کاروباری لوگ اصل (Investement) کی بجائے ناجائز نفع خوری، چور بازاری اور بددیانتی پر آمادہ ہوجائیں۔

خلاصہ بحث

ہماری اس تمام بحث کا لب لباب یہ ہے:

۱۔ جدید ٹیکسیشن سسٹم ان ہی خطوط پر استوار کیا گیا ہے جن خطوط پر قدیم روم و ایران اور ان کے ماتحت علاقوں میں محاصل کا نظام قائم تھا۔ پرانے زمانہ کے ٹیکس زیادہ ظالمانہ اس وجہ سے نظر آتے تھے کہ وہ غلاموں، کسانوں اور غریب کاروباری لوگوں سے وصول ہوکر، حکمرانوں کی عیش وعشرت کا سامان بنتے تھے۔ مگر اب ان ٹیکسوں میں قدرے رواداری یوں پیدا کر دی گئی ہے کہ یہ ٹیکس کاروباری لوگوں کے ساتھ امیروں اور سرمایہ داروں سے بھی وصول کیے جاتے ہیں۔

لیکن اگر ان ٹیکسوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات صاف دکھائی دے گی کہ ان میں سے اکثر ٹیکسوں کا بوجھ غریب صارفین ہی کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج امیر امیر تر اور غریب غریب تر بنتے جا رہے ہیں۔

۲۔ مدینہ منورہ میں ایک پائیدار حکومت قائم کرنے کے بعد، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو ایک ایسے جدید معاشی نظام سے روشناس کیا، جس کی نظیر رہتی دنیا تک کبھی بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے مروّجہ نظام محاصل کے بالکل برعکس، ٹیکس کا بوجھ غریبوں کے سر سے اُٹھا کر امیروں کے کندھوں پر ڈال دیا۔ اور امیروں کی دولت میں غریبوں کا حصہ بصورتِ زکوٰۃ، عشر اور صدقات وغیرہ مقرر فرما دیا۔ جس کی بدولت معاشرہ میں موجود طبقاتی فرق ایک فطری انداز میں کم ہونے لگا۔

۳۔ خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں جب ملکی سرحدات وسیع ہوگئیں۔ وہ علاقے جو بازنطینی یا ایرانی حکومت کے زیر تسلط تھے۔ اسلامی قلمرو میں شامل ہوگئے۔ ان علاقوں میں تحصیل محاصل کے سلسلہ میں جتنے قسم کے مظالم رواج پا چکے تھے۔ اہل اسلام نے ان کا سختی سے نوٹس لے کر انہیں ناجائز قرار دیا۔

۴۔ اہل سلام نے ٹیکس کے بارے میں یہ پالیسی اختیار کی کہ ٹیکس کی تشخیص اس انداز میں ہو جس سے ٹیکس دہندگان کی کاروباری صلاحیت و رغبت متاثر نہ ہو، اور نتیجتاً مجموعی قومی آمدن میں کمی واقع نہ ہو۔ ورنہ بصورت دیگر ان کا لازمی اثر یہ ہوتا کہ بیت المال میں محاصل کے ذریعہ جمع ہونے والی آمدنی میں بھی اسی شرح سے کمی واقع ہوجائے گی۔

۵۔ بعض اوقات اگر حکومت کو عوام کی خاطر کوئی نقصان اٹھانا پڑتا تو وہ کسی بڑے نقصان سے بچنے کی خاطر، اس نقصان کو ہلکا سمجھ کر اسے برضا ورغبت برداشت کرلیتی تھی۔

۶۔ معاشی پالیسی وضع کرتے وقت مخصوص طبقہ کے مفاد کی بجائے عوامی مفاد کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔

متذکرہ حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے، ہمارا یہ دعویٰ بے جا نہیں ہے کہ انسانیت کی فوز و فلاح۔ انتہاء پسند معاشی نظاموں کی بجائے فقط اسلام کے عادلانہ معاشی نظام ہی میں مضمر ہے۔ آج بھی اگر ٹیکس کے نظام کو سرمایہ دارانہ نظام کی بجائے اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے تو معاشرے سے طبقاتی فرق کو فطری انداز میں کم کرکے اسے ایک مثالی معاشرہ میں بدلا جاسکتا ہے۔ اور دنیا کو معاشی بحرانوں سے نجات دلائی جاسکتی ہے۔

سنی ڈائیری

2010

شائع کردہ : عمران حسین چوہدری

ناشر: سنی فاؤنڈیشن بریڈفورڈ یو کے۔ پوسٹ بکس نمبر 709 لاہور

علم وادب، اقوال زرین، ارشادات بزرگان دین، معروف سنی علماء کے پیغامات، فون نمبرز اور پتے